Dr. Atta Khursheed

Moulana Azad Library, Ali Garh Muslim University, Ali Garh

ڈاکٹر عطا خورشید

مولانا آزاد لائبریر، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

کیا "سیرۃ فریدیہ" واقعی سرسید کی تصنیف ہے؟

Is Sira Faridiah really authored by Sir Syed?

ABSTRACT: Sir Syed Ahmad Khan (1817-1898), founder of Aligarh Muslim University, wrote the biography of his maternal grandfather Khwaja Fariduddin Ahmad Khan titled "Seerat-e Faridiya" in 1893. It was first published in Sir Syed's life from Matba' Mufeed-e Aam of Agra in 1896. It has been edited and published by different people at different times. So far six editions of this book have been published. But the sad thing is that no compiler has consulted the original manuscript before editing the book, which is available in the Maulana Azad Library of Aligarh Muslim University. The Original manuscript contains some information which is not in the printed and edited version. I have tried to prove in my paper that the author of Seerat-e Faridiya is not Sir Syed Ahmad Khan. He has not written this book himself but some other person has written this book by Sir Syed's name.

Key Words: manuscript, edited version, Ali Garh, Seerat-e-Faridiya, Biography

سرسید نے اپنے نانا خواجہ فریدالدین احمد خاں نیز اپنی ننھیال کے حالات کتابی صورت میں تحریر کیے اور اس کا نام "سیرۃ فریدیہ" رکھا۔ یہ سب سے پہلے سرسید کی حیات میں مطبع مفید عام، آگرہ سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی۔(۱) ۱۹۲۱ء میں اس کی تلخیص مولوی محمد الدین فوق نے "حالات دبیر الدولہ" کے عنوان سے شائع کی۔(۲) ۱۹۶۴ء میں کراچی سے محمود احمد برکاتی نے اسے ایڈٹ کر کے شائع کیا۔(۳) (۲۰۰۹ء میں کراچی ہی سے اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا)(۴) شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے جب سرسید کے تمام مقالات کو جمع کر ۱۶ جلدوں میں "مقالات سرسید" کے عنوان سے مجلس ترقی ادب، لاہور سے شائع کیا تو اس کی سولہویں جلد میں "سیرۃ فریدیہ" کو بھی شامل کر لیا۔ یہ جلد ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔(۵) اس طرح ۱۹۶۵ء تک اس کتاب کے چار ایڈیشن منظر عام پر آ چکے تھے۔ تاریخی ترتیب سے پانچواں ایڈیشن پروفیسر شان محمد (سابق صدر شعبۂ سیاسیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی و سابق ڈائریکٹر سرسید اکیڈمی، علی گڑھ) کی زیر نگرانی سرسید اکیڈمی، علی گڑھ سے شائع ہونے والا نسخہ ہے جس پر سنہ اشاعت ۲۰۰۹ء درج ہے۔(۶) چھٹا ایڈیشن ڈاکٹر خلیق انجم کا مرتب کردہ ہے جو "انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی" سے ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا۔(۷) "سیرۃ فریدیہ" کا ایک انگریزی ترجمہ (C. Shackel, Professor & Head of the Dept of Urdu, School of Oriental & African Studies, London) نے کیا تھا جو حیدر آباد سے شائع ہونے والے انگریزی سہ ماہی مجلہ Islamic Culture کے اکتوبر ۱۹۷۲ء کے شمارے میں شائع ہوا۔ (۸)

''سیرۃ فریدیہ'' صرف سرسید کے نانا کی سوانح ہی نہیں بلکہ مغلیہ عہد کے آخری قرن کی معاصر تاریخ بھی ہے۔ چوں کہ خواجہ فریدالدین، مغلیہ بادشاہ اکبر شاہ ثانی (۱۷۶۰ء-۱۸۳۷ء) کے امراء میں سے تھے، لہٰذا ان کے حالات کے ضمن میں دربار مغلیہ کی زبوں حالی، ان کی اصلاحات، وہاں کی ریشہ دوانیوں وغیرہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ اکبر شاہ ثانی کی طرف سے اُنھیں سفیر بنا کر ایران بھیجنا، واپسی پر اُنھیں دبیر الدولہ کا خطاب دے کر امراء شاہی میں شامل کرنا، بادشاہ کا مالی قرض اتارنے کے لیے خواجہ فریدالدین کی حکمت عملی کا ذکر کرنا، اکبر شاہ ثانی کی طرف سے راجہ رام موہن رائے (۱۷۷۴ء-۱۸۳۳ء) کو سفیر بنا کر انگلستان بھیجنے کی تجویز پیش کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ وہ ساری باتیں ہیں جو ''سیرۃ فریدیہ'' کو ایک سوانح سے زیادہ تاریخ کا درجہ عطا کرتی ہیں۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ ''سیرۃ فریدیہ'' کے اب تک چھے ایڈیشن نکل چکے ہیں لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ''سیرۃ فریدیہ'' کے کسی مرتب نے بھی اس کا اصل قلمی نسخہ دیکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی، جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں موجود ہے (۹)۔ محمود احمد برکاتی صاحب نے کراچی میں بیٹھ کر اسے مرتب کیا، ان کے لیے اس قلمی نسخے کو دیکھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ تقریباً یہی صورتحال شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی صاحب کے ساتھ بھی تھی کہ وہ بھی پڑوسی ملک میں بیٹھ کر اسے ترتیب و شائع کرا رہے تھے، لیکن ڈاکٹر خلیق انجم کے لیے اس قلمی نسخے سے استفادہ کرنا زیادہ مشکل نہیں تھا کیوں کہ دہلی سے علی گڑھ زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ اور علی گڑھ کی سرسید اکیڈمی سے شائع ہونے والے سیرۃ فریدیہ کے مرتب پروفیسر شان محمد صاحب کے لیے یہ نسخہ فقط ایک کیلو میٹر کے فاصلے پر تھا۔ لیکن کسی مرتب نے بھی اصل نسخے کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔

کسی کتاب کو مرتّب کرنے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ سب سے پہلے اس کے مختلف نسخے یا ان کی نقول (اگر قلمی ہے تو) جمع کی جائیں اور اگر مطبوعہ ہے تو اس کے مختلف ایڈیشنز جمع کیے جائیں اور ان سبھوں کی روشنی میں کتاب ترتیب دی جائے۔ ''سیرۃ فریدیہ'' کے ساتھ ایک خوبی یہ رہی کہ اس کا اصل قلمی نسخہ بھی دستیاب ہے لہٰذا مرتبین اگر اسے دیکھ لیتے تو مطبوعہ نسخے سے زائد ایسی اطلاعات بھی اُنھیں فراہم ہو جاتیں جو مطبوعہ نسخے میں بھی نہیں ہیں۔ مثلاً چند ایسے حواشی ہیں جو اصل قلمی نسخے میں موجود ہیں لیکن کسی مرتّبہ ایڈیشن میں ان کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اشاعت اول یعنی ۱۸۹۶ء کے ایڈیشن میں بھی اُن حواشی کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لہٰذا مرتبین نے صرف اشاعت اول کو سامنے رکھ کر اُس کی نقل اُتار لی۔ مثلاً ''سیرۃ فریدیہ'' میں شاہ عالم بادشاہ کی لکھی ۲۰ر اشعار پر مشتمل ایک فارسی غزل اس وضاحت کے ساتھ نقل کی ہے کہ ''یہ غزل 'مفتاح التواریخ' مؤلفہ ولیم بیل میں بھی چھپی ہے مگر نہایت غلط چھپی ہے۔ ہم اس کو صحیح کی ہوئی چھاپتے ہیں اور جو اشارات اس غزل میں ہیں، حاشیے پر اس کی تصریح بھی لکھ دیتے ہیں'' (۱۰)۔ سیرۃ فریدیہ کے قلمی نسخے میں اس غزل پر جا بجا اشخاص کے ناموں کی وضاحت کے لیے پانچ حواشی بھی لکھے گئے ہیں لیکن مطبوعہ نسخے (اشاعت اول) میں صرف دو حواشی ہی شامل کیے گئے ہیں اور مرتبین نے انھی دو حواشی کو ہی نقل کیا ہے۔ اس غزل کو سرسید نے اس کتاب کی تحریر سے قبل ۲۸ر اپریل ۱۸۸۸ء کے ''علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ'' کے شمارے میں ''غزل تصنیف شاہ عالم'' (ص: ۴۷۹-۴۸۰) کے عنوان سے بھی شائع کیا تھا (۱۱) اور اس میں پانچ کی جگہ چھے حواشی دیے تھے لیکن غالباً سیرۃ فریدیہ لکھنے والے کی نظر سے یہ مطبوعہ غزل نہیں گزری اور اس طرح ایک حاشیہ نقل کرنے سے رہ گیا۔ اصلاح کے وقت سرسید کو بھی اس حاشیہ کی یاد نہیں آئی۔ ذیل میں متعلقہ پانچوں اشعار کے حوالے کے ساتھ، اصل قلمی نسخے سے، پانچوں حواشی نقل کیے جاتے ہیں۔

دادافغان بچہ شوکت شاہی بر باد کیست جزذات مبرّا کہ کندیاری ما (۱)

حاشیہ: مراد ازان غلام قادر خاں است۔

زود تر یافتہ پاداش ستمگاری ما کردہ سی سال نظارت کہ مراد باد (۲)

حاشیہ: مراد ازان منظور علیخاں ناظر است

بانیٔ جور و ستم شد بدل افگاری ما ایں گدازادۂ ہمدان کہ بدوزخ برود (۳)

حاشیہ: مراد ازان محمد بیگ خان دب گراست

آن نیاز و و سلیمان و بدل بیگ لعین ہر سہ بستند کمر بہر گرفتاری ما (۴)

حاشیہ: مراد ازان نیاز بیگ خاں صباغ است کہ تحقیراً او را بہ نیاز و تعبیر کردہ

شاہ تیمور کہ دارد سر نسبت با من زود باشد کہ بیاید بمددگاری ما (۵)

حاشیہ: از شاہ تیمور مراد از پسران احمد شاہ درانی است کہ با شاہ عالم قرابت پیدا کردہ بود۔ (۱۲)

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ ۲۸ اپریل ۱۸۸۸ء کے علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے شمارے میں بھی یہ غزل شائع ہوئی ہے جس میں ۶ حواشی لکھے گئے ہیں۔ ایک حاشیہ جو قلمی اور مطبوعہ کسی نسخے میں نہیں ہے، وہ اِس شعر '' شیر دادم افعی بچہ را پروردم۔ عاقبت گشت مجوز بگر فتای ما'' پر یہ لگایا ہے: ''افعی بچہ سے مراد غلام قادر خاں ہے۔'' (۱۳)

مولانا آزاد لائبریری کے شعبۂ مخطوطات میں سرسید کے ہاتھ کے لکھے تقریباً ایک درجن سے زائد درج ذیل مسودات موجود ہیں:

تفسیر آیہ معراج ۲۔ تبیین الکلام ۳۔ تحریر فی اصول التفسیر ۴۔ الدعاوالاستجاب ۵۔ رسالہ ھوالموجود ۶۔ قصہ اصحاب الکہف ۷۔ الترقیم فی اصحاب الکہف والرقیم ۸۔ اسپیچ در تہنیت شصت سالہ ملکہ وکٹوریہ ۹۔ آرٹکل انگریزی پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے کیا خیالات ہوں گے ۱۰۔ اسباب سرکشی ہندوستان ۱۱۔ سرسید کی کتاب یادداشت ۱۲۔ مسودہ ترجمہ قدیم تاریخ یونان ۱۳۔ قواعد صرف اردو وغیرہ ۔(۱۴)

سرسید کے اپنے ہاتھ سے لکھے مذکورہ بالا مسودات کے علاوہ ان سے منسوب ایک تصنیف ''سیرۃ فریدیہ'' کا قلمی نسخہ بھی اس لائبریری میں موجود ہے لیکن یہ سرسید کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا نہیں ہے جیسا کہ مولانا آزاد لائبریری میں موجود و محفوظ ان کی دیگر تصنیفات کے مسودات ہیں۔ میرے خیال میں اس کا کوئی مسودہ یا مبیضہ سرسید نے تیار ہی نہیں کیا تھا۔ کتاب کے لیے مواد سرسید نے فراہم کر دیا جسے کسی دیگر شخص نے ترتیب دیا۔ نسخے میں ترقیمہ نہیں ہے اس لیے سنہ کتابت اور کاتب کا نام نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ورق کے صرف ایک طرف الف والے حصے ہی کی طرف لکھا گیا ہے دوسری طرف کا حصہ سادہ ہے۔ سرسید نے اس طرح کے بعض سادہ صفحات پر اپنے قلم سے اضافے کیے ہیں۔ نسخے کے سرورق پر نیلی روشنائی سے ''بخط منشی نجم الدین'' لکھا ہے۔ یہ طرزِ خط اور تحریر پروفیسر مختار الدین احمد آرزو صاحب، سابق صدر شعبۂ عربی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (متوفی ۳۰ جون ۲۰۱۰ء) کا ہے۔ یہ بات حتمی طور پر اس لیے بھی کہی جاسکتی ہے کہ پروفیسر مختار الدین احمد آرزو صاحب نے منشی نجم الدین کو، جو سرسید کے منشی اور انھیں کے پروردہ تھے، دیکھا تھا اور ان کے خط اور تحریروں سے واقف تھے۔ منشی

صاحب کے سارے کاغذات آرزو صاحب نے حاصل کر لیے تھے جن کی بنیاد پر انھوں نے ان پر ایک سوانحی مضمون بھی لکھا تھا۔(۱۵) ۴۲ صفحات پر مشتمل ''سیرۃ فریدیہ'' کا یہ نسخہ نہایت ہی واضح اور خوشخط تحریر میں ہے۔ جابجا سرسید نے جملوں کو خط کشید کر یا قطع کر اصلاح کی ہے، نیز اضافے بھی کیے ہیں۔

سیرۃ فریدیہ ''۱۸۹۳ء میں تصنیف ہوئی اور ۱۸۹۶ء میں پہلی بار مطبع مفید عام، آگرہ سے شائع ہوئی۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ اپنے پایانِ عمر یعنی ۱۸۹۳ء میں سرسید کو اپنے خاندانی حالات لکھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ دنیا میں شہرت حاصل ہو چکی تھی۔ اپنے قائم کردہ ایم اے او کالج کے شباب کا زمانہ دیکھ چکے تھے۔ علمی دنیا میں اپنی تحریروں سے تہلکہ مچا چکے تھے۔ ۱۸۹۳ء اُن کی عمر کا وہ حصہ تھا جب وہ بیحد مصروف تھے۔ ایم اے او کالج کا انتظام، اساتذہ کے ساتھ میٹنگز، طلبہ کی دیکھ ریکھ، خطوط کے جوابات، سرکاری مشنریز سے روابط۔ غرض اس مصروفیت کے دور میں اُن کا کسی کتاب کا لکھنا دور از قیاس لگتا ہے۔ ممکن ہے کہ حالی کو ''حیات جاوید'' لکھنے کے لیے سرسید کے اجداد کے حالات درکار ہوں اور انھوں نے اس کی فرمائش سرسید سے کی ہو۔ لیکن سرسید اپنی مصروفیت کے سبب اس کام کو نہ کر سکے اور اُنھوں نے کسی دیگر شخص کو اس کام پر مامور کر دیا۔ لیکن حالی کو حیات جاوید لکھنے کا خیال ۱۸۹۴ء میں آیا۔ ظاہر ہے ''سیرۃ فریدیہ'' اس سے قبل یعنی ۱۸۹۳ء میں لکھی جا چکی تھی۔ لہٰذا حالی کے لیے یہ کتاب نہیں لکھی گئی ہو گی۔ ممکن ہے کہ منشی سراج الدین کے لیے لکھی گئی ہو جنھوں نے سرسید کے حالات لکھنے شروع کیے تھے لیکن چھپوا نہ سکے۔ منشی سراج الدین سوانح سرسید لکھنے کے لیے علی گڑھ آئے اور تقریباً ایک ماہ (۴ مئی تا ۳ جون ۱۸۹۰ء) قیام کر کے مواد جمع کیا۔ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے ۱۰ جون ۱۸۹۰ء کے شمارے میں منشی سراج الدین کی طرف سے ایک اپیل ''ایک ضروری التماس'' کے عنوان سے شائع ہوئی جس میں سرسید کے احباب سے سرسید کے متعلق حالات نیز ان کی تحریروں کی فرمائش کی ہے۔(۱۶) منشی سراج الدین نے غالباً ۱۸۹۳ء میں اپنا مسودہ مکمل کیا اور سرسید کو بھیجا۔ لیکن سرسید نے اسے ناپسند کیا۔ اُنھوں نے اپنے ایک خط مؤرخہ ۲۲ ستمبر ۱۸۹۳ء بنام سید ممتاز علی میں اس مسودہ سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا ہے۔ ''حاجی محمد اسماعیل خاں صاحب نے جو میری لیف [لائف] منشی سراج الدین سے لکھوائی تھی..... وہ چھاپہ ہونے کے قابل نہ تھا۔ بعض واقعات اس میں صحیح نہ تھے اور طرز بیان درست نہ تھا۔'' (۱۷)

''سیرۃ فریدیہ'' جس شخص نے بھی لکھی وہ سرسید کے اسلوب سے ناواقف تھا یا اُن کے اُسلوب کی وہ نقل نہ اُتار سکا۔ مثلاً سرسید، جو سادہ اور آسان نثر لکھنے کے عادی تھے، سیرۃ فریدیہ میں طویل طویل جملے لکھتے نظر آتے ہیں۔ ذیل میں دو جملوں کی مثال پیش کرتا ہوں:

''اور تیسرا کام یہ کیا کہ دیوان عام کی چھت، جس میں تانبے کی موٹی چادریں بطور چھت گیری لگا کر ان پر پیتل کی ڈنڈیوں و پھولوں سے، جن پر سنہری ملمع تھا، بطور خاتم بندی کے بنالی گئی تھیں اور جس کو بعہد شاہ عالم ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء کے بہاؤ مرہٹہ نے اُکھاڑ ڈالا تھا اور لے جانہ سکا تھا وہ سب اکھڑی پڑی تھیں اور پھر اس کا بنانا بنظر حالات شاہی غیر ممکن تھا، اس کا سونا اتروالیا گیا۔'' (۱۸)

مزید ایک طویل جملہ ملاحظہ فرمائیں:

''انھوں نے رام موہن رائے کو جو کلکتہ کے ایک بابو اور نہایت لائق اور ذی علم اور متین و بااخلاق تھے اور وہی برہمو سماج کے مذہب کے جو اَب بنگالیوں میں نہایت کثرت سے رائج ہے، بانی ہیں، بلایا اس ارادہ سے کہ بادشاہ کی طرف سے وکیل کر کے لندن بھیجا جاوے چنانچہ وہ دلی میں آئے اور بادشاہ کی ملازمت کی اور اون کو راجہ کا خطاب بادشاہ کی طرف سے دیا گیا اور آخرکار وہ بادشاہ کے وکیل ہو کر لندن میں بھیجے گئے اور ۱۸۳۱ء مطابق ۱۲۴۷ھ کے لندن پہونچے اور ۱۸۳۳ء مطابق ۱۲۴۹ھ کے وہیں مر گئے۔'' (۱۹)

اب آیئے اُن اصلاحات کی طرف جو سر سید نے اس کتاب کے قلمی نسخے پر جا بجا اپنے قلم سے کی ہیں۔ مثال کے لیے چند اصلاحات پیش کی جاتی ہیں :

''اونکا (خواجہ فرید الدین احمد کے والد خواجہ اشرف) مزار اپنے مرشد کے مزار کے پائین اکبر میں رسول شاہیوں کے تکیہ میں ہے جو چمیلی باغ کہلاتا ہے۔'' (۲۰)

محولہ جملے میں سر سید نے ''اپنے مرشد کے مزار کے پائین'' کو قطع کر دیا۔ ممکن ہے یہ بات حتمی یا تصدیق شدہ نہ ہو، زبانی طور پر مشہور ہو، اس لیے سر سید نے اس جملے کو قطع کر دیا۔

ورق ۶ پر خواجہ فرید الدین کے بارے میں ایک جملہ لکھا ''اوس زمانہ میں..... [جگہ خالی چھوڑ دی ہے] مختلف علوم عربیہ میں بہت مشہور عالم تھے اون سے منطق و فلسفہ کی کتابیں پڑھیں مگر.....'' سر سید نے یہ پورا جملہ قطع کر دیا۔ (۲۱)

ورق ۶ پر ہی نواب آصف الدولہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ :

''نواب آصف الدولہ کا انتقال ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ ہجری مطابق ماہ ستمبر ۱۷۹۷ء کے ہوا مگر خواجہ فرید الدین احمد اوس سے چند سال پیشتر بعد تکمیل علوم کے دلی واپس آ گئے تھے۔'' (۲۲) آخری جملہ ''..... مگر خواجہ فرید الدین احمد..... واپس آ گئے تھے۔'' کو قطع کر دیا گیا۔

ورق ۶ ب پر خواجہ فرید الدین احمد کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لکھا:

''خواجہ فرید الدین احمد کی ایک ہی بیوی تھیں اور ان سے پانچ اولادیں پیدا ہوئی تھیں دو بیٹے اور تین بیٹیاں۔ ان کی اولاد میں جو لوگ کہ پیدا ہوئے اور اَب تک موجود ہیں شجرہ مندرجہ ذیل سے ان کا حال واضح ہو گا۔'' (۲۳)

سر سید نے اس آخری جملے یعنی '...ان کی اولاد میں جو لوگ... حال واضح ہو گا'' تک قطع کر اپنے قلم سے لکھا'' اور یہ اولادیں تین تین برس کے فاصلے سے غالباً ۱۲۰۷ھ مطابق ۱۷۹۲ء کے پیدا ہو چکی تھیں۔'' اس کے نیچے خواجہ فرید الدین احمد لکھا اور شاخیں بنا کر ان کی اولاد کے نام لکھے، جو شجرہ یا نسب نامہ لکھنے کا عام طریقہ ہے، لیکن پھر اس شاخ والے شجرہ کو بھی قطع کر دیا اور اسے مطبوعہ نسخے میں شامل نہیں کیا گیا۔

ورق ۲۲ پر اکبر شاہ ثانی کے عہد کی قلعہ کے اندر کی ایک سازش کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ اکبر شاہ ثانی کی ایک چہیتی بیوی نواب ممتاز محل کے بطن سے مرزا جہانگیر تھے، جنہیں ممتاز محل تخت پر بٹھانا چاہتی تھیں۔ لیکن بادشاہ اس بات پر راضی نہیں تھے۔ مرزا جہانگیر نے بغاوت کر دی۔ مسٹر سٹین جو رزیڈنٹ تھے، مرزا جہانگیر کو سمجھانے کے لیے قلعہ کے اندر گئے، وہاں مرزا نے ان پر گولی چلا دی۔ مسٹر سٹین بال بال بچ گئے'' وہ واپس آئے اور فوج کی ایک ٹکڑی لے کر قلعہ کے اندر گئے اور مرزا جہانگیر کو گرفتار کر کے قلعہ الہ آباد میں مقید کر دیا۔'' سر سید نے لفظ ''مقید'' کو قطع کر کے ''رہنے کے لیے روانہ'' لکھ دیا یعنی اصلاح کے بعد جملہ اس طرح ہو گیا ''اور مرزا جہانگیر کو گرفتار کر کے قلعہ الہ آباد میں رہنے کے لیے روانہ کر دیا۔'' (۲۴)۔ یہ احترامی جملہ سر سید نے صرف اس لیے لکھا کہ نواب ممتاز محل سر سید کے والد پر بہت مہربان تھیں اور اُنھیں مثل بیٹا تصور کرتی تھیں۔

ورق ۵۱ پر مصنف نے لکھا کہ '' جس زمانہ میں میری عمر بارہ تیرہ برس کی تھی میں نے ایک نوکر کو جو بہت پرانا اور بڈھا تھا کسی بات پر تھپڑ مارا۔'' سر سید نے اس واقعہ کے لیے اپنی عمر ایک سال کم کر دی یعنی لفظ تیرہ کو قطع کیا اور لفظ بارہ سے قبل گیارہ لکھا یعنی اب جملہ اس طرح ہو گیا کہ ''جس زمانہ میں میری عمر گیارہ بارہ برس کی تھی ... (۲۵)

اب اصلاح کے سلسلے کی ایک اور مثال دے کر مثالوں کا سلسلہ یہاں ختم کرتا ہوں۔ مصنف نے اکبر شاہ ثانی کے دربار کے ایک مرقع کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے

''اُس زمانہ کی ایک عمدہ یادگار ایک تصویر کا فوٹو گراف سید احمد خاں کے پاس موجود ہے... یہ تصویر اس کتاب میں بھی چھاپی گئی ہے جس کو مولوی سید احمد 'ارمغان دہلی' کے مصنف نے تصنیف کیا ہے اور 'بزم آخر' جس کا نام ہے۔''(۲۶)

سر سید نے اس جملے میں اپنا نام ''سید احمد خاں'' کو قطع کر کے اس کے اوپر لفظ ''ہمارے'' لکھا یعنی اصلاح کے بعد اب جملہ اس طرح ہو گیا ''اُس زمانہ کی ایک عمدہ یادگار ایک تصویر کا فوٹو گراف ہمارے پاس موجود ہے۔''

اس تصویر کے سلسلے میں مصنف نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ ''یہ تصویر اس کتاب میں بھی چھاپی گئی ہے جس کو مولوی سید احمد 'ارمغان دہلی' کے مصنف نے تصنیف کیا ہے اور 'بزم آخر' جس کا نام ہے۔''تصویر کی اشاعت کے سلسلے میں خود سیرۃ فریدیہ کے مصنف سے سہو ہوا جس کی اصلاح سر سید بھی نہ کر سکے۔ 'بزم آخر' سید احمد کی نہیں بلکہ منشی فیض الدین کی تصنیف ہے جس میں یہ تصویر شائع ہوئی تھی۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا تھا۔ اور یہ مطبوعہ کتاب مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ میں موجود ہے۔(۲۷)

محولہ بالا اقتباس کا پہلا جملہ یعنی ''اُس زمانہ کی ایک عمدہ یادگار ایک تصویر کا فوٹو گراف سید احمد خاں کے پاس موجود ہے'' اِس بات کی صاف غمازی کر رہا ہے کہ کتاب کسی اور نے لکھی لیکن اصلاح کے بعد سید احمد خاں کے نام سے شائع ہوئی۔ اب یہاں یہ سوال اُٹھایا جا سکتا ہے کہ کیا کسی دیگر شخص کی لکھی کتاب پر اصلاح کے بعد وہ کتاب لکھنے والے سے منسوب ہو گی یا مصلح کے نام سے؟ میں نے اسی لیے اپنے مقالے کا عنوان رکھا ہے ''کیا سیرۃ فریدیہ واقعی سر سید کی تصنیف ہے؟'' اردو ادب کے محققین، مؤرخین اور ماہرینِ سر سید کے سامنے میں یہ سوال اٹھاتا ہوں ہے کہ وہ اس نہج پر سوچیں کہ کیا ''سیرۃ فریدیہ'' واقعی سر سید کی تصنیف ہے؟ اگر نہیں تو اس کا مصنف کون ہے؟

حوالہ جات

(۱) سید احمد خان، سر۔ سیرۃ فریدیہ۔ آگرہ: مطبع مفید عام، ۱۸۹۶ء

(۲) سید احمد خان، سر۔ حالات دبیر الدولہ۔ تلخیص، سیرۃ فریدیہ، ملخص مولوی محمد الدین فوق، ۱۹۲۱ء

(۳) سید احمد خان، سر۔ سیرۃ فریدیہ۔ (مرتبہ) محمود احمد برکاتی، کراچی: پاک اکیڈمی، ۱۹۶۴ء

(۴) سید احمد خان، سر۔ سیرۃ فریدیہ۔ (مرتبہ) محمود احمد برکاتی، کراچی: قرطاس، ۲۰۰۹ء

(۵) سید احمد خان، سر۔ سیرۃ فریدیہ۔ مشمولہ، در مقالاتِ سر سید (جلد شانزدہم)، (مرتبہ) شیخ محمد اسمعیل پانی پتی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء

(۶) سید احمد خان، سر۔ سیرۃ فریدیہ۔ (مرتبہ) پروفیسر شان محمد، علی گڑھ: سر سید اکیڈمی، ۲۰۰۹ء

(۷) سید احمد خان، سر۔ سیرۃ فریدیہ۔ (مرتبہ) خلیق انجم، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، ۲۰۱۰

(۸) Syed Ahmad Khan, Sir, Seerat-e Faridiya, tranlated by C. Shackel, Published in Quarterly "Islamic Culture", Hyderabad, October 1972.

(۹) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، قلمی، یونیورسٹی کلکشن اردو، نمبر ۱۰، مملوکہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، ۱۸۹۳ء

(۱۰) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، آگرہ: مطبع مفید عام، ۱۸۹۶ء۔ ص ۱۹

(۱۱) علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، ۲۸ر اپریل ۱۸۸۸ء

(۱۲) سیداحمد خاں، سر۔، [۱۸۹۳ء]، سیرۃ فریدیہ، قلمی، یونیورسٹی کلکشن اردو، نمبر ۱۰۔ ص ۲۱، ۲۰

(۱۳) علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، ۲۸ر اپریل ۱۸۸۸ء۔ ص ۴۷۹، ۴۸۰

(۱۴) عطاخورشید۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے اردو مخطوطات۔ پٹنہ: خدابخش لائبریری، ۱۹۹۵ء

(۱۵) فکر و نظر (سہ ماہی)، ناموران علی گڑھ نمبر: پہلا کارواں، علی گڑھ: ۱۹۸۵ء

(۱۶) علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ، ۱۰ر جون ۱۸۹۰ء

(۱۷) سیداحمد خاں، سر۔ مکتوبات سرسید، (جلد دوم)، (مرتبہ) شیخ محمد اسمعیل پانی پتی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۵ء۔ طبع ثانی

(۱۸) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، قلمی۔ ص ۲۶

(۱۹) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، قلمی۔ ص ۳۱

(۲۰) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، قلمی۔ ص ۴

(۲۱) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، قلمی۔ ص ۶

(۲۲) ایضاً

(۲۳) ایضاً

(۲۴) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، قلمی۔ ص ۲۲

(۲۵) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، قلمی۔ ص ۵۱

(۲۶) سیداحمد خاں، سر۔ سیرۃ فریدیہ، قلمی۔ ص ۳۰

(۲۷) فیض الدین، منشی، ۱۸۸۵ء، بزم آخر، دہلی: مطبع ارمغان